AL-AHQAQ Recognized by HEC in Y-Category
https://ahqaq.com/index.php/Journal/article/view/39 ONLINE - ISSN- 3006-595X
Volume.3, Issue.1 (2025) PRINT - ISSN- 3006-5941

دادائیت اور سریلزم کے تتبع میں اُردو نظم میں حسن کے بدلتے معیارات

Changing Standards of Beauty in Urdu Poetry in the Footsteps of Dadaism and Surrealism

Bushra Sheereen

Assistant Professor, Department of Urdu, Kinnaird College for Women, Lahore

bushra.sheereen@kinnaird.edu.pk

Dr. Faiza Butt

Assistant Professor, Department of Urdu, Kinnaird College for Women, Lahore

faiza.butt@kinnaird.edu.pk

Rubina Kokab

Lecturer: Department of Philosophy and Liberal Arts, Government College University, Lahore, rubina.kokab@gcu.edu.pk

Abstract

From an aesthetic perspective, beauty can be characterized by qualities such as discipline, harmony, moderation, contrast, and glamour. The concept of beauty has changed in the twentieth century as what should be considered beautiful or what will be the attributes of beauty? Barbara Smith suggests that when a work of art is valued or rejected by critics, their personal background keeps influencing their perception. As a result, they judge the artwork as either good or bad, or as unattractive. Until the beginning of the 20th century, the West was considered civilized and educated, but the killing of millions of people in World War 1 proved that the West had not yet developed morally. Hence, during and immediately after the war, a movement named Dadaism, based on art and literature, began. While the purpose of this movement was to criticize the human sense of beauty, there was also a lamentation of the desire for a beautiful society turning into regret. Surrealism movement took roots in the view of this idea and Andre Bethune, who was closely associated with Dadaism, issued a manifesto entitled Surrealism in October 1924. The Surrealism movement became the successor to Dadaism. Under these two movements, not only

the irrelevance became important, but also the effort to maintain the meaninglessness continued in arts and specifically in poetry. But the supporters of Surrealism, by giving importance to Freud's theory of psychoanalysis, and the theory of gender, separated their way despite staying with Dadaism. Contrasted to Dadaism, the Surrealism movement has a deeper impact on Urdu poetry. It is natural for the poets to access the dreams of the subconscious and the unseen logics of their minds. The sub-continent region also had to go through war and conflict, therefore, after Dadaism, many poets wrote poems under the influence of Surrealism movement.

علم جمالیات کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ حسین شے وہی کہلاتی ہے جس میں نظم وضبط ہو، ہم آہنگی ہو، اعتدال ہو، تضاد ہو اور رنگینی ہو۔ بریٹانیکا ڈکشنری میں جمالیات یعنی Aesthetics سے مراد:

"Aesthetics, The philosophical study of beauty and taste. It is closely related to the philosophy of art, which is concerned with the nature of art and concepts in terms of which individual works of art are interpreted and evaluated."(1)

یعنی جمالیات فلسفہ ہے حسن وقبح کو جانچنے کا۔ علم جمالیات کسی بھی شے کے حسین اور قبیح ہونے کے معیارات فراہم کرتا ہے۔ کشافِ تنقیدی اصطلاحات میں ابو الاعجاز حفیظ صدیقی جمالیات کے معنی یوں بیان کرتے ہیں۔

"جمالیات فلسفہ ہے حسن اور فنکاری کا۔"(2)

گویا جمالیات میں، جو کہ حسن اور فنکاری کا فلسفہ ہے۔ کسی بھی شے، مظہر یا وجود کے حسین وقبیح ہونے کے معیار کی جانچ پڑتال کی جاتی ہے اور یہ جانچ پڑتال خاص اصولوں کے تحت کی جاتی ہے اور بعض اوقات کسی ایک فرد کی حسِ لطیف کا بھی سہارا لے کر فن پارے کے حسین یا قبیح ہونے کے بارے میں حکم لگایا جاتا ہے۔ کسی بھی فن پارے میں اگر ہم آہنگی، توازن، نظم وضبط اور اعتدال کی آنچ، کسی بھی وجہ سے ہلکی رہ گئی ہو تو ماہرین جمال اس کو "حسن" کے دائرے میں قبول نہیں کرتے، گویا توازن، رنگ، اعتدال کی بنیاد پر ہی حسن کی عمارت بنتی ہے اور قائم رہتی ہے۔ حسن کو پرکھنے کا مذکورہ معیار بیسویں صدی میں عالمی جنگوں کی بربریت کے باعث بدل گیا اور اب کسی بھی شے کو حسین قرار دینے والے کی رائے کو من وعن قبول کرنے کی روایت کو ختم کر کے اب رائے دینے والے کے ذاتی، معاشی اور اخلاقی و فکری پس منظر کی جانچ پرکھ کرنا ازبس لازم قرار دیا گیا باربرا اسمتھ اپنی کتاب "Contingencies of value: Alternative for critical theory" میں لکھتی ہیں:

"All value is radically contingent, being either a fixed attribute, an inherent quality, or an objective property of things but, rather an effect of multiple, continously changing and continously interacting variables."(3)

گویا کسی بھی شے کی قدر بھلے وہ حسن ہی ہو، وہ مستقل طور پر موجود نہیں رہتی اور نہ ہی فطرت نے حسن مستقل بنیادوں پر ودیعت کیا ہوتا ہے۔ کوئی بھی شے، کسی بھی زمانے میں، لمحے میں، حسین لگ سکتی ہے اور وقت گزر جانے کے بعد حسین ہونے کا فیصلہ اس کے ساتھ مستقل نہیں رہتا۔ گویا کسی بھی شے کو حسین قرار دینے والے کے اپنے ذاتی، فکری، معاشی، معاشرتی پس منظر بھی اس فیصلے میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔

رچرڈ ایلڈرج (Richard Eldrige) اپنی کتاب "An Introduction to Philosophy of Art" میں فن اور حسن کی موضوعی نوعیت کے حوالے سے باربر اسمتھ کے خیال کو یوں بیان کرتے ہیں کہ جب کسی فن پارے کو حسین یا قبیح قرار دیا جاتا ہے، تو اس رائے میں رائے دہندہ کا پس منظر بھی اس کی رائے بنانے میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے مثلاً رائے دینے والے نے کس ماحول میں پرورش پائی اس کی تربیت کے وقت کن اقدار کو اہم گردانا گیا۔ اس کے تعقل کو بنانے میں کون کون سے عوامل شامل حال رہے، ان امور کا بھی خیال رکھنا، مطالعہ کرنا، لازم ہے۔ بیسویں صدی جہاں بہت ساری تبدیلیاں لائی وہاں فکرِ انسانی کو وقیع بھی کرتی گئی۔ سائنس دانوں نے جہاں لوگوں کی زندگیوں کو سہولیات سے مزین کر دیا، وہاں اسی زندگی کو محفوظ کرنے کے لئے آلات بھی بنائے گئے۔ آلات نے تحفظ تو کیا مگر جب ان میں زنگ لگ جانے کا ڈر محسوس ہوا تو بھی اور جب دشمن کی چال پر نظر رکھتے ہوئے ڈر لگا تو بھی بے دریغ و بے جھجک اس کا استعمال کیا گیا۔ امن پسند انسان نے امن کی خاطر ہی کئی جنگیں لڑلیں۔ خون ریزی اور قتال کے لئے نت نئے آلات بھی ایجاد کئے اور پھر اپنے تئیں مہذب اور امن پسند بھی کہلائے جانے کی خواہش لاشعور میں موجزن رہی۔

بیسویں صدی میں ہی مغربی اقوام کو مہذب ہونے کا زعم بھی رہا اور اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے پر مغرور بھی رہا، مگر مہذب ہونے کی علامات میں سے ایک علامت، قتال سے اجتناب بھی ہے اور حقیقت میں مغرب اس کسوٹی پر پورا اترنے میں ہر گزرتے دن کے ساتھ ناکام ہو رہا تھا۔ پہلی جنگ عظیم میں لاکھوں انسان اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے، سفاکی کا نشانہ بنتے، جنگی قیدی بنتے اور زندگی بھر کے المیے سے دوچار ہوتے گئے۔ ان عالمی جنگوں نے جہاں چند انسانوں کو عروج دیا وہاں انسان کی اندر کی وحشت کو بھی برہنہ کر دیا۔ دنیا بھر کے انسانوں نے دیکھا کہ انسان نے اگرچہ فنون حرب میں ترقی کر لی مگر اخلاقی طور پر ابھی بھی وہ غاز کے زمانے سے باہر نہیں نکال پایا، ان جنگوں نے کرۂ ارض کے اس خطے پر موجود ذی روح کو جان سے مار ڈالا تھا۔ اس منظر نے بچ جانے والے لوگوں اور حساس اذہان کو جہاں پریشان کر دیا، المیہ سے دوچار کر دیا وہاں چند ادیبوں اور فنکاروں نے فکر کے اس دھارے کو موڑنے کا سوچا۔ گھسی پٹی اقدار جب خون ریزی پر اتر آئیں تو ان اقدار کی قدر و قیمت پر سوال اٹھایا، تاکہ انسانی زندگی کی نت نئے المیوں سے پھر سے مڈبھیڑ نہ ہو سکے اس خیال کے تحت فن اور ادب پر مبنی ایک تحریک کا آغاز ہوا، جس کا نام دادئیت رکھا گیا۔ اس تحریک کا آغاز 1914 میں سوئٹزرلینڈ میں ہوا۔

"کشاف تنقیدی اصطلاحات" میں دادئیت کے آغاز کے بارے میں کچھ یوں لکھا گیا ہے:

"دادازم ادب، مصوری، فلسفہ اور موسیقی کی دنیا میں ایک غیر سنجیدہ، منفی، ہسیٹریائی، بے ہنگم اور تخریبی تحریک تھی جو دراصل یورپ میں پہلی جنگِ عظیم کے صدمے کا نتیجہ تھی فروری 1916ء میں زیورچ میں اس تحریک کا آغاز ہوا اور تھوڑے ہی عرصے میں پیرس اور برلن جیسے دوسرے یورپی شہر بھی اس تحریک کی لپیٹ میں آ گئے۔"(4)

سجاد ظہیر دادئیت کے آغاز کے بارے میں یوں بیان کرتے ہیں:

"پہلی جنگ عظیم کے دوران فروری 1916ء میں ایک رومانوی ترستان زارا، ایک جرمن ہیوگو بال اور اساس کے رہنے والے ہانس آرپ اور چند ایک نوجوانوں نے سوئٹزر لینڈ کے شہر زیورچ میں آرٹ کی ایک نئی تحریک شروع کی۔ انہوں نے اس سلسلے میں تصویروں کی نمائش کی، میوزک کمپوز کیا، نظمیں لکھیں، رسالہ نکالا۔"(5)

اس تحریک کا نام بھی بغیر سوچے سمجھے رکھ دیا گیا۔ سجاد ظہیر دادئیت نام کی درج ذیل وجہ بتاتے ہیں۔

"زارا(Tristan Tzara) نے ایک ڈکشنری ہاتھ میں لے کر بغیر کسی خاص ارادے کے ایک جگہ سے کھولا، جو صفحہ کھلا اس پر پہلا لفظ "دادا" تھا۔ بس یہی تحریک کا نام قرار پایا۔"(6)

اس تحریک کے آغاز کا جواز بھی دلچسپ تھا۔ دادئیت کے علمبرداروں کا مدعا کچھ یوں تھا کہ:

"ادب اس حد تک زنانہ پن کا شکار ہو چکا ہے اور اس کے نتیجے میں زندگی اپنی مردانہ خصوصیات سے اس حد تک عاری ہو چکی ہے کہ بچے کی زبان سے نکلنے والا پہلا لفظ امی(Mama) ہوتا ہے۔ حالانکہ اصولاً اس کی زبان سے پہلا لفظ ابا(Dada) نکلنا چاہیے۔ دادائیوں کا دعویٰ تھا کہ وہ ادب کو مردانگی سکھائیں گے۔"(7)

نہ صرف یہ بلکہ اس تحریک نے جمالیات، فنونِ لطیفہ اور نظم و نثر کے روایتی سانچوں کو رد کرتے ہوئے تخلیقی اظہار کے لئے نئے سانچوں کا تقاضا کیا اور یہ بھی کہ وہ سانچے جدید طرز پر بنے ہونے چاہئیں کیونکہ روایتی ادبی ڈھانچوں نے انسان کی اخلاقی تربیت میں کہیں نہ کہیں کمی چھوڑ دی ہے۔ اس لئے وہ مروجہ اخلاقی اقدار اور ان سے متعلق پابندیوں سے آزاد ہو کر لکھنا چاہتے تھے۔ اس تحریک کے تابع، بے ترتیبی اور عدم تسلسل، بے ربطی اور بے ہنگم غیر متوقع تصورات کو شاعروں میں پیش کیا جانے لگا۔ معاشرتی بے حسی، جنگ کی سفاکی اور زندگی کی بے معنویت کو دادائیت کے تحت لکھی جانے والی شاعری کا خاص موضوع قرار دیا گیا۔ اس تحریک کے علمبرداروں کے نزدیک انسان آکر اپنے لاشعور کو تحریر کرنا شروع کرے تو وہ انسانی ذہن کی نئی کیفیات تک پہنچ سکتا ہے اس کوشش میں شعراء، ادباء اور فنکاروں نے بے ہنگم و بے جوڑ خیالات کو یکجا کیا اور اس بے ترتیبی میں ترتیب اور ہم آہنگی ڈھونڈی۔ منتخب ادبی اصطلاحات میں دادائیت کو مزید واضح کیا گیا ہے۔

"ان مل، بے جوڑ چیزوں کو اٹکل پچو انداز میں اس طرح یکجا کرنا کہ یہ ظاہری بے ترتیبی بھی کسی باطنی ترتیب کا تاثر دے۔"(8)

الغرض پروفیسر سی۔ اے قادر، کشاف اصطلاحات فلسفہ میں لکھتے ہیں کہ دادائیت تحریک کا مقصد، جنگ کی ہولناکی اور سفاکی اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے المیے کو ہر ہر پلیٹ فارم تک پہنچانا تھا۔ جنہوں نے یہ المیے جھیلے وہ انتہا کی قنوطیت کا شکار ہو گئے اور یوں بچ رہنے والوں میں بھی زندگی رفتہ رفتہ ختم ہوتی رہی۔ اس لئے نئے سانچوں کا وجود میں آنا ضروری ہو گیا تھا۔ دادائیت سے منسلک فنکار اپنی تمثال میں تخریب اور لاعقلیت کا اظہار کرتے۔ مثلاً:

"ان کے پلاٹ میں کوئی تسلسل نہ تھا اور تمثال بھی الٹی سیدھی تھیں چنانچہ وہ الفاظ کو اٹھا کر الٹا لکھ دیتے تھے۔ بحروں کو عجیب انداز میں لکھا کرتے تھے اور کینوس پر پھٹے ہوئے کاغذ اور کپڑے کے چیتھڑے لگا دیتے تھے۔ ان میں سے بعض لوگ تجریدی فن اور ورائیت (Surrealim) کے داعی بن گئے۔"(9)

گویا فن اور ادب میں جو بھی روایات صدیوں سے رائج تھیں۔ ان کو بیک جنبش قلم رد کر دیا گیا۔ وہ ادیب کہ جو ابھی بھی کلاسیکیت کے

حامی تھے۔روایات کے داعی تھے۔ان کے نزدیک دادائیت ایک ایسی تحریک بن رہی تھی کہ جو امن قائم کرنے کی کوشش میں پھر سے "انارکی" پھیلادے گی۔ مگر جو دادئیت کی روح سے وابستہ تھے۔ انہوں نے اپنا راستہ سریلزم تک نکال لیا تھا اور شعور کو لاشعور تک رسائی دینے اور پھر اسی کیفیت سے نئی تخلیقات پیدا کرنے کا انہیں سودا تھا، دادائیت اپنی مکمل صورت تک پہنچتے ہی سریلزم میں ڈھلنے لگی۔ دادائیت کے اس رجحان کے بارے میں ابو الاعجاز کشاف، تنقیدی اصطلاحات میں لکھتے ہیں۔

"اس (دادئیت) تحریک سے وابستہ بہت سے فکار بعد میں سرریلسٹ ہو گئے۔ آندرے بریتون (Andre Breton) کا تعلق بھی دادازم کی تحریک سے تھا۔ اس نے اپنے گروہ کی طرف سے اکتوبر 1924ء میں ایک مینی فیسٹو شائع کیا، جس کا عنوان تھا "سریلزم کا اعلان"۔ اس طرح سرریلزم کی تحریک دادازم کی جانشین بن گئی۔ سرریلزم تحت الشعوری اور خواب گوں تمثالیں پیش کرنے کی شعوری کوشش کا نام ہے۔" (10)

سریلزم تحریک کا خمیر اگرچہ دادازم سے ہی اٹھا تھا مگر دادازم جیسی "انارکی" پھیلانے والی یالا قانونیت کی پرچارک نہیں تھی۔ سریلزم کا ارتکاز شعور کو لاشعور کے ساتھ جوڑنے پر ہی رہا اور اس طرح فن اور ادب میں سریلزم کے ذریعے ہی بے ترتیبی میں ہی ترتیب بنا شروع ہوئی۔ سرریلزم کے مینی فیسٹو کے مندرجات میں درج ذیل ہدایات جاری کی گئیں۔

"پرانی پٹی ہوئی اقدار کو ٹھکرانے اور نئی جان دار اقدار تلاش کرنے کی جو خواہش ابھری، وراءواقعیت (سریلزم) کو اس کا اظہار سمجھنا چاہیے۔ وراواقعیت پسندوں نے فنون اور ادب میں لاشعوری کیفیتوں کو زبان عطا کرنے کی سعی کی اور شعوری سوچ اور لاشعوری مواد کو جوڑ کر ایک نئی طرز سامنے لانی چاہی۔" (11)

کافکا کے ناولز ٹرائل (Trial) اور Metamarphasis کے علاوہ یارہ کی مولا کافی کا ناول Kafka on the Shore اس موضوع پر لکھے گئے اہم ناول شعور اور لاشعور کے رابطے کی ایک پراسرار مگر ٹھوس واردات کو نظم اور باقی فنون لطیفہ میں بیان کرنا، سریلزم کا مقصد تھا۔ سریلزم کے داعی سگمنڈ فرائیڈ کے تحلیل نفسی فلسفہ اور نظریہء جنس جیسے نظریات سے متاثر تھے۔ اسی لیے وہ ذات کی تحلیل نفسی کو ازبس لازم اور اہم قرار دیتے اور اس تحلیل نفسی کے بعد لاشعور کے رنگ کو تصویر کر دینے کی حمایت میں تھے۔ ان ادیبوں، فلسفیوں، شاعروں کو خوابوں، واہموں اور انسان کی جنونی حالات و کیفیات کو مطالعہ کرنے سے گہرا ربط تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ انسان کے شعور اور لاشعور کے درمیان ایک مہین سی لکیر ہے اور نہیں بھی، اس کے ملاپ سے، انسانی ذہن پر جو بھی نقش بنتا ہے، اس کو مکمل طور پر نظم میں پرو دینا ہی اب فن اور ادب کی ذمہ داری ہے اور یہی اس کا مقصد ہونا چاہیے۔ اپنے انہی خیالات کے باعث سریلزم جدید ادبی تحریک کے طور پر ابھرنے لگی۔ جدت پسندی کی پہچان بننے لگی۔ فلسفیوں، دانشوروں، ادیبوں، فیشن انڈسٹری کے تخلیق کاروں نے اس پر اپنے تخیل کے مختلف رنگ بھی بکھیرے، جس سے اس تحریک کی قبولیت عام میں اضافہ ہونے لگا۔ مثال کے طور پر سرریلزم کے موضوع پر بننے والی درج ذیل فلموں

☆The Dance of Reality

☆My Winning Peg

☆The Taste of Tea

☆Eternal Sunshine of Spotless Mind

نے سرریلزم کے رچاؤ کے سلسلے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کے علاوہ وراءواقعیت سے منسلک شعراء کے لیے لازم ٹھہرا کہ وہ کسی بھی مروجہ روایت، اصول یا قدر کے تحت نظم لکھنے سے اجتناب کریں گے۔ نہ صرف یہ بلکہ ہر اخلاقی بندش اور ہر اخلاقی قدر کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار برملا اپنی شاعری میں کریں گے۔ شاعری کی مروجہ بحور کو بھی رد کر دیا۔ اسی بناء پر نت نئی مثالیں، خیالات، مبہم تشبیہات کو نظم میں برتا گیا۔ وراءواقعیت کے داعیوں کے نزدیک کسی بھی انسان کے لاشعور تک پہنچنے کا ایک یہی راستہ ہے کیونکہ جس طرح لاشعور بے ترتیب، بے ہنگم اور بے ربط ہے۔ اسی طرح شاعری بھی ہونی چاہیے۔ منتخب ادبی اصطلاحات میں سرریلزم کے مقصد یوں بیان کیا گیا ہے۔

”ذہن میں کہیں ایک نقطہ ایسا موجود ہے، جہاں حقیقت سے پرے پہنچ کر نیا عرفان حاصل کرنا ممکن ہے۔ انسانی شعور میں تبدیلی لانے کی آرزو، نفسیاتی قوتوں اور زبان وبیان میں نئی روح پھونکنے کی خواہش، بڑی پرکشش تھی اور آج بھی ہے۔“(12)

جدید آرٹ پر فرائیڈ کے نظریات کے ساتھ ساتھ سریلزم کے گہرے اثرات مرتب رہے۔ اس تحریک نے فنون کی تقریباً تمام شاخوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا۔ فلم، میوزک، تھیٹر، پینٹنگ، نظم غرض تمام فنکاروں نے اس تحریک کو صدقِ دل سے سراہا اور اپنے نظریات کو اس کے تابع کیا۔ سلواڈور ڈالی کی پینٹنگ (Melting Clock) کافکا کا The Castle فلم The dance of reality Inland empire اس رجحان کی مثالیں ہیں۔ ان کے علاوہ ٹی ایس ایلیٹ، جیمز جوائس، ایزر، پاؤنڈ نے بھی اسی طرز پر تخلیقات کیں۔ اس تحریک نے اپنے عروج و زوال کے دن گزارتے گزارتے برصغیر کے شعراء کو بھی اپنی سحر میں لے لیا۔ اردو زبان وادب کے شعراء نے بھی سریلزم کے تحت نظم نگاری کی اور لاشعور اور ذہن کی گہرائیوں میں غوطہ زنی کے بعد شعور کو لاشعور سے ملانے کے منطقوں تک رسائی حاصل کرنے کی لگن میں رہے۔ برصغیر کے باشندوں نے بھی اور ان کے آباؤاجداد نے بھی اسی عالمی جنگ کے المیے کو جھیلا تھا۔ نہ صرف یہ کہ عالمی جنگیں بلکہ اس سے قبل غدر 1850ء اور پھر تقسیم ہند اور نئے ممالک تخلیق کئے جانے کے سلسلے میں ہونے والے قتال کا خون اب یہاں کے باسیوں کی رگوں میں تھا، جو شہید ہوئے وہ دنیا سے، اپنے والدین، بہنوں بھائیوں، دوستوں اور بچوں سے کٹ گئے اور جو واپس آئے تو کٹے پھٹے تھے۔ خاندان کے لیے اور اپنے لیے بھی المیے کی زندگی ساتھ لائے تھے۔ صرف یہی نہیں سقوطِ ڈھاکہ اور پھر 65ء کی جنگ نے ان کی آنکھوں میں جدائی اور بے یقینی کی لالی مزید گہری کر دی۔ غرض یہ کہ اردو شعراء کے شعور و لاشعور میں یہی لالی کہیں ٹھہری ہوئی تھی اور اسے سریلزم کی صورت میں ایک راہ ملی مثلاً جواز جعفری کی نظم ”میرے ایشیا“ میں وہ لکھتے ہیں:

”میرے ایشیا
تجھے ایک سو پانچ بخار ہے
جس کی حدت سے پوری دنیا بھن رہی ہے
میں تیری پیشانی پر
جنگ کو افشاں لگائے دیکھتا ہوں!“(13)

اس نظم میں مشرق کے شاعر نے جنگ کے موضوع پر ایک المیاتی کیفیت کا اظہار کیا ہے۔ منفرد تشبیہوں اور استعاروں مثلاً میرے

ایشیا......تجھے ایک سو پانچ بخار ہے......جنگ کو افشاں لگاتے دیکھتا ہوں، کی ترکیب سرئیلزم کے تتبع میں شعور کو لاشعور کے ساتھ ملانے کا اظہار کیا گیا ہے۔اس طرح محمود علی محمود کی نظم "اگلے پل تک" بھی اپنے رنگ کی ایک منفرد نظم ہے۔

محمود ثنا کی نظم "کون سفر پہ نکلے" میں بے جوڑ خیالات کو جوڑنے کے معنی تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مثلاً

"ہم مٹی کی آنکھیں اپنے خواب سے غسل کریں
اور ہوا کو سی کر اپنے تن کو ڈھانپیں
دھرتی، دریا کو روکنے والے
شاید یہ معلوم نہیں ہے
ہم وہ دریا جس کا سمندر اس کی سطح سے اوپر ہے"(14)

سرریلسٹ شعراء کے پیش نظر شاعری کے مروجہ ضابطوں سے ہٹ کر علائم و رموز اور استعاروں میں ملفوف اپنے تخیل کو پیش کرنا تھا۔ سو "ہم مٹی کی آنکھیں اپنے خواب سے غسل کریں" اور ہوا کو سی کر تن ڈھانپیں" اس تخیل کا اظہار ہے۔ عالمی جنگ کے بعد، تقسیم ہند اور پھر پاکستان بننے کے بعد زندگی اپنے معنی کھو چکی تھی۔ جدید پاکستان میں انسان مہذب ہونے کا ملمع چڑھا کر دوست کے ہی گلے کاٹ رہا تھا۔ نجیبہ عارف کی مذکورہ نظم دادئیت سے سرریلزم کی روح کو بیان کرتی ہے۔ نظم ملاحظہ ہو:

"زندگی لوڈشیڈنگ
شہ رگ کاٹ دی گئی
خود کو دھماکے سے اڑالیا
تیزاب پھینک کر چہرہ مسخ کر ڈالا
سڑکوں پر ٹائر جلائے گئے
پتلے نذرِ آتش ہوئے
گلے میں پھندا ڈال کر خودکشی کر لی
ریلوے لائن جگہ جگہ سے اکھاڑ دی
معمولی بات پر تنازعہ ہوا اور دوست کو گولی مار دی۔"(15)

اسی طرح انوار فطرت کی نظم "غصیلا پرندہ اک دن اسے کھا جائے گا" بے جوڑ خیالات کو یکجا کر کے معنی کی تلاش کی ایک کاوش ہے۔

نظم کے قابل غور مصرعے "اک موجود میں......خوف کا بے حد رات سمندر......
ناموجود کی ایک موہوم سی......ننھی مچھلی......پھڑکے، ابھرے، ڈوبے......
اور غصیلے سچ کا اِک بے رنگا طائر......نامعلوم سے نامعلوم تلک شہپر پھیلائے، جھپٹے ننھی مچھلی......کب تک خود کو بچائے......"(16)
"اک یہ دراڑ کہ جس کے ادھر ٹھٹک کر رہ جاتے ہیں۔

Recognized by HEC in Y-Category
ONLINE - ISSN- 3006-595X
PRINT - ISSN- 3006-5941

سارے خیال اور سارے ارادے جس کے ادھر میری ذلت ہے
جس کے ادھر میں اِک بے بس قوت ہوں
اک یہ دراڑ کہ جس کے وراوہ مقدس آگ ہے جس کی نو میں کلیوں کی برکھا ہے۔
اک یہ دراڑ جو میرے پہیہ دماغ میں ہے کب اس کو پاٹ سکوں گا
اپنی حدوں کی حد سے آگے کب یہ قدم اٹھے گا
آگے، جہاں وہ سرشاری ہے جس کی کشید بھی اس میرے ہی ذہن میں ہوتی ہے۔"

انہی مصرعوں میں شاعر معلوم کو بھی نامعلوم سمجھ رہا ہے اور نامعلوم تو معلوم ہے ہی..... ہاں مگر اس قریے تک جانے کی خواہش رکھتا ہے۔ سریلزم کی علمبرداروں نے جہاں شعور کو لاشعور سے ملانے کی کوشش کی، جس کو معاشرے کے لگے بندھے قوانین و نظریات کی جکڑ بندیوں سے آزاد کر دینے کی خواہش کا جابجا اظہار کیا۔ اسی طرح مذہب اور تہذیبوں کے خلاف بھی علم بغاوت بلند رکھا۔ جاوید انور کی نظم بعنوان "نظم جو کبھی لکھی جائے گی" ایسی ہی کیفیت کی نمائندگی کرتی ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں:

"میں اِک نظم لکھوں گا لیکن بتانے نہیں آؤں گا
وہ بہت خوبصورت
بہت منچلی اور عنایت سے بھرپور ہو گی
مگر میں سنانے نہیں آؤں گا

....

نہ گرجے کی گھنٹی / نہ کلمہ شہادت / نہ تابوت ہو گا
کہ زیر و زبر، پیش کے بیچ میں جزم ہو گی
فقط ایک وقفہ
نہ ہونے سے ہونے کا لمحہ"

....

زندگی / میں ترے واسطے
ان خداؤں کی تنہائی کو بزم لکھوں گا
جو تیرے خوابوں کے راستے میں مارے گئے۔"(17)

گویا قتال کے بعد جیسے ایک ایسی دنیا کی تخلیق کی خواہش ہے کہ جہاں شاعری کی دیوی کی عبادت کی جائے گی مگر ایسی شاعری کہ جو جدید انسان کے ماضی و حال اور مستقبل کو سمیٹتی ہو اور جہاں شاعر خداؤں کو تنہا دیکھتا ہو۔ اپنے خیال کا اظہار برملا کرتا ہو۔

مجید امجد کی نظم "جانے اصلی صورت" لاشعور میں جھانکنے کی بہت عمدہ مثال ہے۔ اس نظم کی جمالیات، اس نظم کا باطن اور فکری اُپج

دادائیت اور سر یلزم کے متعین کردہ اصولوں کے قریب ہے۔ مختصر یہ کہ اس نظم کی بے ترتیبی میں بھی ایک ترتیب موجود ہے مثلاً:

جانے اصلی صورت کیا ہو، ذہن کی اس اِک رو کی
جس کے ساتھ بہا کی میری سوچ اور میری عمر اور میری دنیا
بہتے بہتے یوں تو جب بھی دیکھا، میرا دل اِک وہ قوت تھی
جس کے آگے پہاڑ بھی تنکا تھے، یہ سب کچھ تو تھا
لیکن سدا یہی میں سمجھا
اِک یہ دراڑ جو میرے ہیبہ دماغ میں ہے کون اس کو پھلانگ سکے گا
اِک یہ دراڑ جس کے ادھر ٹھٹک کر رہ جاتے ہیں

مجید امجد کی مذکورہ نظم میں "ایک دراڑ" سر یلزم کی تمام باتوں کی بات ہے۔ یہ ویسی ہی دراڑ ہے کہ جو شعور و لاشعور کے درمیان انتہائی مہین مگر ایک فاصلہ ہے۔ مغرب میں سر یلزم کے تتبع میں فلم بھی بنائی گئی۔Eternal sunshine of spotless mind ہیروئن کے بالوں کے رنگ میں بھی شعور اور لاشعور کے انہیں خانوں کو رنگ کے ساتھ جدا رکھا گیا ہے۔ مرکزی کردار عورت، اپنے محبوب کے ساتھ گزرے لمحات کو (erase) صاف کروا دینا چاہتی ہے۔ اس سلسلے میں وہ ڈاکٹر کی اور سرجری کی مدد لیتی ہے اور بالآخر وہ منطقے (Erase) صاف کروا لیتی ہے کہ جہاں ان دونوں کی ملاقاتیں تھیں، یادیں تھیں اور جنھیں ہرے رنگ کے ساتھ نمایاں کیا گیا تھا مگر مرکزی کردار مرد لاشعور سے شعور پر گرفت مضبوط رکھتا ہے اور سرجری کے عمل کے دوران ہی آنکھیں کھول کر کہتا ہے کہ وہ اپنی محبوبہ Clementine کے ساتھ گزرے لمحات کو کھونا نہیں چاہتا۔ یادوں میں محفوظ رکھنا چاہتا ہے اور وہ سرجری کے عمل کو رکوا دیتا ہے۔ یہاں سے ان مرکزی کرداروں کا ایک نیا سفر شروع ہوتا ہے اور یہ سفر انہیں شعور و لاشعور کی پہچان، اس کی گرفت اور ایسی ہی مہین دراڑوں کہ جس کا ذکر مجید امجد نے "جانے اصلی صورت" میں کیا ہے، کے گرد گھومنے لگتا ہے۔

اردو نظم کے شعراء نے تقریباً تمام اہم اور نمائندہ تحاریک کے تتبع میں نظمیں تحریر کیں۔ تخیل کی پرواز کو جاری و ساری رکھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ جدید اور جدید تر خیالات کا اظہار کیا۔ یہی جدت پسندی حسن کا معیار تبدیل کرنے کا موجب بنی۔ چونکہ یہ جدت دادئیت اور سر یلزم کی تقلید کی وجہ سے وجود میں آئی لہٰذا حسن کا معیار بھی اسی کے مطابق مقرر کر دیا گیا، جہاں حسن، ترتیب، ہم آہنگی اور توازن میں موجود تھا۔ اب بے ترتیبی میں بے ربط میں اور گزشتہ تمام اصول و ضوابط کی بغاوت میں آن سمایا تھا۔ ان کے نزدیک یہی بے ترتیبی، انسان کے لاشعور کے حسن تک پہنچا سکتی تھی۔

حوالہ جات

(1)Britanica Dictionary.com

2۔ کشاف تنقیدی اصطلاحات، ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، 1985ء، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ص89

(3)Cambridge, M.A Harvard University Press, 1988, Pg.30

4۔کشاف تنقیدی اصطلاحات،ابوالاعجاز،حفیظ صدیقی،1985،مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد،ص76-77

5۔کشاف تنقیدی اصطلاحات،ابوالاعجاز،حفیظ صدیقی،1985،مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد،ص77

6۔کشاف تنقیدی اصطلاحات،ابوالاعجاز،حفیظ صدیقی،1985،مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد،ص77

7۔کشاف تنقیدی اصطلاحات،ابوالاعجاز،حفیظ صدیقی،1985،مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد،ص77

8۔منتخب ادبی اصطلاحات،تالیف ڈاکٹر سہیل احمد خان،محمد سلیم الرحمن،شعبہ اردو،جی سی یونیورسٹی لاہور،2005ء،ص61

9۔کشاف اصطلاحات فلسفہ،تالیف وترجمہ:پروفیسر سی۔اے۔قادر،اکرام رانا،بزمِ اقبال،لاہور،1994ء،ص139

10۔کشاف تنقیدی اصطلاحات،ابوالاعجاز،حفیظ صدیقی،1985،مقتدرہ قومی زبان،اسلام آباد،ص77

11۔منتخب ادبی اصطلاحات،تالیف ڈاکٹر سہیل احمد خان،محمد سلیم الرحمن،شعبہ اردو،جی سی یونیورسٹی،لاہور،ص193

12۔منتخب ادبی اصطلاحات،تالیف ڈاکٹر سہیل احمد خان،محمد سلیم الرحمن،شعبہ اردو،جی سی یونیورسٹی،لاہور،ص194

13۔معاصر:مدیر،عطاءالحق قاسمی،جلد2،جنوری تاجون2002ء،لاہور،ص326

14۔نقاط:ادارت قاسم یعقوب،زاہد،امروز،نظم نمبر،اکتوبر2011،نقاط مطبوعات،فیصل آباد،ص565

15۔نقاط:ادارت قاسم یعقوب،زاہدامروز،نظم نمبر،اکتوبر2011،نقاط مطبوعات،فیصل آباد،ص565-566

16۔بہترین شاعری،ترتیب وانتخاب،اختر رضا سلیمی،تخلیقات،لاہور،2011،ص146

17۔بہترین شاعری،ترتیب وانتخاب،اختر رضا سلیمی،تخلیقات،لاہور2011،ص154-155

18۔مجید امجد:جانے کیا ہوا اصلی صورتhttps://sukhansara.com